فرانز فینن کی کتاب "افتادگان خاک" کا تجزیاتی مطالعہ

شمائلہ بی بی

طاہر عباس طیب

Abstract:

Fallen Dust is a book written by French author Franz Fanon. This book was written in French in 1961. In this book, the author analyzes the mental and psychological effects of metaphor on nations and individuals, as well as the social, cultural and social movements that lead people to get rid of metaphor and political concepts were also discussed. Franz Fanon was a victim of French imperialism. Franz Fanon was a revolutionary intellectual. Fanon's politics begins with his anger and reaction to racism which was beginning to touch the boundaries of segregation (black racism and nationalism). But Fanon proved the universality of mankind through his labor and struggle. By participating in the process of resistance, they became a new generation in understanding the truths of society and in political struggle. This book was written against the neo-demographic system and nationalism from a psychological and Marxist point of view. Neo-demographic system refers to when a state uses its power or strength to dominate a weaker state and its people by using its natural resources and public power for its own social and economic development.

فرانز فینن فرانسیسی سامراج کا شکار ایک انقلابی دانشور اور ادیب جو ۲۰ جولائی ۱۹۲۵ ء کو فورٹ ڈی فرانس مارٹینیک میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ اُس وقت ایک فرانسیسی کالونی کے زیرِ اثر تھا۔ فرانز کے والد

سمیر فینن افریقی غلام تھے اور اُن کی شناخت ہندوستانی تھی۔ وہ وہاں کسٹم ایجنٹ کے طور پر کام کرتے تھے۔ اُن کی ماں ایلیانور میڈ یلیس دکاندار کے طور پر کام کرتی تھیں۔ فرانز فینن آٹھ بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے، جب کہ دو بچے جوانی ہی میں مر گئے تھے۔ یہ خاندان معاشی طور پر متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ فرانز کی بیوی کا نام "جوسی فینن" تھا۔ فرانز فینن کو جب معلوم ہوا کہ وہ بلڈ کینسر میں مبتلا ہے تو اس نے لکھنے کا عمل تیز کر دیا اور اپنی وفات سے چند روز قابل کتاب "افتادگانِ خاک" مکمل کی۔ مظلوم اور سیاہ فام ہونے کے باوجود فینن اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھا۔ نفسیات میں اعلیٰ درجے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے افریقہ سے فرانس منتقل ہونے میں کامیاب ہوا۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد، وہ جلد ہی ایک کامیاب ماہر نفسیات کے طور پر مشہور ہو گیا۔ وہ اپنے سیاہ فام لوگوں کے ساتھ طے شدہ پیشہ ورانہ انداز سے پیش آتا اور ان کی مدد کرتا۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس دور میں لوگوں کے تمام نفسیاتی مسائل کی وجہ سلطنت کا مسلط کردہ نوآبادیاتی نظام (Colonialism) اور استعماریت (Imperialism) ہے۔ فرانز فینن کا انتقال ۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو میری لینڈ کے شہر بیتھیسڈا (Bethesda) میں ہوا۔ اس کی بیوی "جوسی فینن"، بیٹا "اولیور فینن" اور بیٹی "میریلے فینن" اس کی وفات کے بعد فرانس میں ہی رہے۔ ۱۹۸۹ء میں اس کی بیوی نے خودکشی کر لی۔ فینن کی مشہور کتابوں میں درج ذیل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

- The Wretched Of The Earth (1961)
- Black Skin White Mask (1952)
- A Dying Colonialism (1959)
- The Fact Of Blackness

زیرِ نظر کتاب (افتادگانِ خاک) اپنی اہمیت کے پیش نظر جلد ہی دیگر زبانوں میں ترجمہ ہونا شروع ہو گئی۔ ۱۹۶۹ء میں محمد پرویز اور سجاد باقر رضوی نے اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ پاکستان میں اس کتاب کے تراجم کو خاصی شہرت ملی۔ ژاں پال سارتر لکھتے ہیں:

> "بہتر ہے کہ وہ فینن کو پڑھیں۔ وہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ یہ نہ دبنے والا تشدد محض غیض و غضب نہیں، نہ وحشی جبلتوں کا اظہار ہے، نہ ہی یہ احتجاج ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان خود کو تخلیق کر رہا ہے۔" (۱)

"افتادگان خاک" فرانسیسی مصنف فرانز فینن کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جو فرانسیسی زبان میں ۱۹۶۱ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے قوموں اور افراد پر استعماری قوتوں کے ذہنی اور

نفسیاتی اثرات کو پیش کیا۔ انھوں نے سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور سماجی تحریکوں کا بھی تجزیہ کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ استعماری طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب میں سیاسی نظریات اور تصورات پر سیر حاصل گفتگو ملتی ہے۔ فرانز فینن نے استعماری قوتوں اور قوم پرستی کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اُن کی یہ تحریک ردعمل کے طور پر سامنے آئی، جو جلد ہی سیاہ فام نسل پرستی اور قوم پرستی کی حدوں سے ہٹ کر انسانیت کا درس دینے لگی۔ اُنھوں نے اپنی محنت اور جدوجہد سے بنی نوع انسان کی عظمت اور آفاقیت کو ثابت کیا۔ فینن نے مزاحمت کے عمل میں حصہ لے کر معاشرے کی ابدی سچائیوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور نئی نسل کے لیے سیاسی جدوجہد جاری رکھی۔ انھوں نے یہ کتاب نفسیاتی اور مارکسی نقطۂ نظر سے نوآبادیاتی نظام اور قوم پرستی کے خلاف لکھی۔

نوآبادیاتی نظام سے مراد ہے کہ جب کوئی طاقت ور ریاست کسی کمزور ریاست اور اس کے عوام کو اپنی قوت یا طاقت کے بل بوتے پر، ان کے قدرتی وسائل اور عوامی طاقت کو اپنی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے استعمال کرتی ہے۔ وہ اپنی نئی آبادیاں قائم کر کے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر کے ریاست پر قابض ہو جاتی ہے۔ وہاں کے لوگوں پر استعماری گروہ، عموماً اپنی حکومت اور قوانین مسلط کرتے ہیں۔ اصل میں یہ قابض گروہ نوآبادی کے لوگوں کے درمیان ناانصافی اور جبر پر مبنی ایک نظام قائم کرتی ہے جس میں مقامی لوگوں کا استحصال ہوتا ہے اور مظلوم عوام کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے ۔اسی طرح فرانز فینن نے اپنی ایک اور کتاب "Black People White Mask" میں لوگوں کی غلامانہ ذہنیت کے سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بیان کیا ہے کہ افراد کس طرح اپنی تہذیب و شناخت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام نے عالمی ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

> "استعمار کی شکست کبھی خاموشی سے عمل میں نہیں آتی اس لیے کہ یہ افراد کو متاثر کرتی ہے اور ان میں بنیادی تبدیلیاں لاتی ہے۔ یہ ان تماشائیوں کو جو اپنی لامعنویت کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں بامعنی اداکاروں میں تبدیل کر دیتی ہے" (۲)

نیو ڈیموگرافک سسٹم کے تحت قابض ریاست اپنے وسائل کے علاوہ نیو ڈیموگرافک ریاست کے وسائل اور افرادی قوت کا بھی استحصال کرتی ہے اور مظلوم ریاست کے حقوق کو بھی پامال کرتی ہے۔ خود مختار ریاست استحصال کے ایک اصول پر عمل کرتی ہے اور اس کی برتری اور فخر کا احساس محکوم لوگوں اور حکام کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرتا ہے۔ ایک محکوم ریاست کے افراد کے حقوق اور قانونی حیثیت

ایک خود مختار ریاست کے لوگوں سے کم ہوتے ہیں اور انہیں دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ ان کی ثقافت، رسم و رواج اور روایات کو کم تر قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے مذہبی تقدس کو پامال کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی۔ کتاب "افتادگانِ خاک" میں فرانز فینن نے نو آبادیاتی نظام اور مابعد نو آبادیاتی نظام پر فکر انگیز نظریات کو پیش کیا ہے۔ یہ کتاب نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے لیے ایک شاندار کیس کے طور پر جانی جاتی ہے۔ نو آبادیاتی نظام تیسری دنیا، خاص طور پر کسانوں اور نو آبادیاتی لوگوں کے اتحاد سے ممکن ہے۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو کہتا ہے: "استعمار دوسرے شخص کی منظم نفی ہے اور چونکہ وہ خوفناک ارادے کے ساتھ کسی دوسرے شخص پر انسانیت کے تمام خواص کو حرام کر دیتا ہے۔" (۳)

۱۹۶۰ء میں الجزائر میں فرانسیسی حکومت کے خلاف کوششیں تیز ہوئیں۔ اس حوالے سے افریقہ کی آزادی کے لیے ایک سیاہ فام دانشور فرانز فینن نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ یوں تو دنیا بھر کی سامراجی اور استحصالی قوتوں کے خلاف محکوم اقوام کی آزادی کی جدوجہد پر مختلف زبانوں اور مختلف براعظموں کے ممالک میں کئی مضامین اور کتابیں موجود ہیں لیکن ان تمام تحریروں کے درمیان باغی مفکر فرانز فینن کی کتاب "Fallen Dust" کو جو مقبولیت اور مقام حاصل ہوا، وہ شاید کسی اور مصنف یا کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔ اس میں فینن نے پسماندہ، مظلوم اور حق سے محروم لوگوں کو اپنا موضوع بنایا۔

۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے بہانے سے ایک بڑی فوج کے ساتھ الجزائر پر حملہ کیا۔ جو بحری جہازوں میں سوار ہو کر الجزائر کے ساحل پر اُترے۔ مقامی گورنر نے فرانسیسی فوجیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ فرانسیسی حکومت کے ہاتھوں شکست کے بعد الجزائر میں وقفے وقفے سے تحریکیں شروع ہو گئیں۔ لیکن فرانسیسیوں نے ہر اٹھنے والی تحریک کو کچل دیا۔ الجزائر بہت زرخیز علاقہ ہے۔ رقبے کے لحاظ سے آٹھ لاکھ سینتالیس ہزار پانچ سو مربع میل ہے اور آبادی کے لحاظ سے ایک کروڑ دس لاکھ کے قریب ہے۔ چونکہ یہ بحیرہ روم کے کنارے پر واقع ہے، اس کی آب و ہوا یورپ کے جنوبی ممالک سے بہت متاثر ہے۔ اس میں زیتون، لیموں، انگور اور سیب جیسے پھلوں کی کثرت ہے۔ الجزائر کی معدنیات میں پٹرولیم، کوئلہ، میگنیشیم، فاسفورس اور آئرن وافر مقدار میں شامل ہیں۔ یہاں کے اہم ترین اور قدرتی وسائل سے مالامال علاقے فرانسیسی سامراجی کنٹرول میں تھے۔ انھوں نے جدید سائنسی مشینری سے کام لے کر الجزائر کی تمام معیشت کو اپنے زیر قبضہ کر لیا جب کہ الجزائر کے پاس بہت محدود وسائل رہ گئے۔ فینن اس صورت حال کو ایک طرح کی معاشی صورتحال قرار دیتا ہے۔ ہمایوں احتشام لکھتے ہیں۔

"نو آبادیات دو حصوں میں استعمال ہوتی ہیں، ایک نو آبادکار کی دنیا ہوتی ہے، جس میں ہر چیز اور آسائش دستیاب ہوتی ہے، جبکہ دوسری دنیا نو آبادیاتی باشندے (Colonized)کی ہوتی ہے۔ جس میں جبر، استحصال (Exploitation) اور پسماندگی (Backwardness) کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ان دونوں دنیاؤں کی تقسیم کو فوجی بیر کیں اور پولیس تھانے برقرار رکھتے ہیں۔"(۴)

ایک ظالم حکومت اپنی اجارہ داری کو برقرار رکھنے کے لیے جو بھی اقدامات کر سکتی تھی، فرانسیسی وہ سب کر گزرے۔ الجزائر کے باشندے اپنے تمام بنیادی حقوق سے محروم رہے۔ ان کے تہذیب و تمدن، معاشرت و ثقافت اور مذہبی رسومات کو فرانسیسی سامراج نے غیر ضروری طور پر تبدیل کیا۔ یہ باشندے رفتہ رفتہ اپنی ثقافتی اور مذہبی روایات کو بھولنے لگے تھے۔ یہاں فرانسیسی حکومت یورپی طرزِ زندگی کو فروغ دینے میں مصروف رہی۔

"کسی بھی تہذیب کے بعض ستون انتہائی طاقتور ہوتے ہیں جن کے سہارے وہ کھڑی ہوتی ہے، انہیں اس قدر آسانی کے ساتھ نہیں ہلایا جا سکتا۔ جب کہ استعمار نواز حلقوں کو مبالغہ آرائی کی حد تک اپنی کامیابی کی توقع ہوتی ہے۔"(۵)

الجزائر کی سرحد مغرب میں مراکش اور مشرق میں تیونس اور لیبیا سے ملتی ہے۔ اس کے مغرب اور مشرق میں تیونس اور مراکش پر بھی فرانسیسی سامراج کا قبضہ تھا۔ ان دونوں میں آزادی حاصل کرنے کی تحریکیں اُبھر رہی تھیں، لیکن یہ تحریکیں اتنی شدید نہیں جتنی الجزائر میں تھیں۔ ان حالات میں فرانسیسی سلطنت کے لیے تینوں ممالک پر قبضہ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ فرانسیسیوں نے ۱۹۵۹ء میں بقیہ دو ریاستوں کو آزاد کرایا اور الجزائر کے اندر آزادی کی تحریکوں کو دبانے کی طرف توجہ دی۔ ۱۸۷۰ء میں فرانسیسی حکومت نے الجزائر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ فرانسیسی حکومت نے مقامی لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے ان کا الحاق کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک الجزائر کے مقامی لوگوں کے پاس نہ کوئی آئین تھا، نہ کوئی رسمی جماعت اور نہ ہی اپنی رائے کے اظہار کا کوئی حق تھا۔ فینن اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے سچائی کو سامنے لاتا ہے۔ استعمار کے مسلط کردہ قوانین سے لے کر ان کے اصلاحاتی ایجنڈے تک، نو جمہوریتوں میں سب کچھ خالصتاً ذاتی مفادات کے لیے ہوتا ہے۔ اپنی روایات، تہذیب، ثقافت اور اقدار کو اپنے ہاتھوں گروی رکھنے کے بعد ان کی قومیت اور آزادی کے حقیقی معنی مقامی لوگوں

پر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ فینن کے مطابق، قومیت کا یہ شعور مقامی لوگوں کو دوبارہ منظم ہونے اور آزادی کے لیے لڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔

تاہم ۱۹۴۴ء میں ان لوگوں کے حقوق کو تسلیم کر لیا گیا، لیکن اس کے لیے انھوں نے صرف چند لوگوں کا انتخاب کیا، بعد ازاں اسے عام کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں فرانس اور الجزائر کے لیے مشترکہ اسمبلی کی تجویز پیش کی گئی۔ لیکن فرانسیسی پارلیمنٹ میں الجزائر کی نمائندگی انتہائی کم تھی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد پوری دنیا میں سامراج مخالف تحریکیں زور پکڑ چکی تھیں۔ اس سامراجی نظام سے نجات کے لیے کئی ممالک میں جدوجہد شروع ہوگئی۔ یوں الجزائر میں تحریک آزادی مضبوط ہوتی گئی۔ اسی دوران فرانسیسی زبان و ثقافت کو بھی یہاں کے لوگوں نے اپنا لیا۔ آزادی کی تحریک نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کلچر کے ذریعے آواز اٹھانا شروع کر دی۔

> ”اب فرانسیسی زبان جاننا، سمجھنا اور اس میں سوچنا سازش کے مترادف نہ تھا جس کا جال آغاز میں استعمار نے بچھایا تھا اور یہ آواز اب لوگوں کی اپنی آواز تھی۔۔۔ ان کے ضمیر کی آواز۔۔۔ آزادی کی آواز۔۔۔ روشن خیالی کی آواز۔۔۔ ظالم حکمرانوں کے خلاف پسے ہوئے طبقے کی آواز۔ یہ آواز آزادی کو دبانے کی بجائے اس کے اظہار کا ذریعہ بن گئی۔“(۶)

الجزائر کے لوگ فرانسیسی ریڈیو کے سخت خلاف تھے۔ لیکن اسی ریڈیو کو جدوجہد آزادی میں بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔ فینن اپنی تحریر میں تشدد کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے۔ وہ تشدد کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔

فرانسیسیوں کو الجزائر کی تحریک آزادی پسند نہیں تھی۔ انہوں نے اسے کچلنے کے لیے افواج میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۴ء میں امیر خالد نے الجزائر کو فرانسیسی سامراج سے آزاد کرانے کے لیے ایک منظم تحریک کا آغاز کیا۔ اس دوران پینتالیس ہزار الجزائری مارے گئے۔ ان کے گھر جلا دیے گئے۔ اتنا ظلم ڈھایا گیا کہ اس نے ملک کے عوام کی آنکھیں کھول دیں۔ ان حالات میں نوجوان باشندوں نے بہت محنت کی۔ انہوں نے ”نیشنل لبریشن فرنٹ“ (N.L.F.) کے نام سے ایک خفیہ تنظیم بنائی اور ملک کو سامراج سے نجات دلانے کا عہد کیا۔ اس کے تحت فرانس کی ستر سرکاری پوسٹوں پر بیک وقت حملہ کیا گیا جس سے حکومت کو بھاری نقصان پہنچا۔ یہ ایک طرح کی گوریلا جنگ تھی۔ ان مقامات میں پولیس اسٹیشن،

فوجی چوکیاں، گولہ بارود اور پٹرول ڈپو کو نشانہ بنایا گیا۔ ٹیلی فون کی تاریں اور دیگر تمام مواصلاتی آلات اور ٹرانسپورٹ پل بھی تباہ ہو گئے۔ اس کے برعکس فرانسیسی حکومت نے گاؤں کو گھیرے میں لے لیا اور گوریلا نوجوانوں کی تلاش شروع کر دی۔ گھروں کو جلایا گیا، خواتین کی عزتیں پامال کی گئیں۔ غرضیکہ ان لوگوں پر ہر قسم کا ظلم وجور روا رکھا گیا۔ فرانسیسی حکومت کے ظلم و ستم کی وجہ سے آزادی کی یہ تحریک مزید زور پکڑنے لگی۔ بڑے شہروں میں بھی انقلاب کے شعلے بھڑکنے لگے۔ یوں ایک بڑا قومی محاذ بن گیا۔ جس نے ایک باڈی کے طور پر مل کر کام کیا اور فرانسیسی حکومت اور باشندوں کا بائیکاٹ کیا۔ اس گرینڈ فرنٹ کی درخواست پر الجزائر کے طلباء نے فرانسیسی کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ بھی کیا۔ سرکاری ملازمین نے دفاتر جانا چھوڑ دیا اور فرانسیسی فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور طبقے نے وہاں کام کرنا ترک کر دیا۔

فرانسیسی ثقافت اور روایات کو اپنانے کے ساتھ ساتھ الجزائر کے لوگ احساسِ محرومی محسوس میں دھنستے چلے گئے۔ حکومت بنانے اور حکومت کرنے کے خواب بھی دیکھنے لگے۔ الجزائر کا مسئلہ دو مرتبہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کیا گیا لیکن فرانس نے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی اور جنگ جاری رہی۔ طاقت کے نشے میں چُور فرانس نے اپنی تمام قوت الجزائر میں لگا دی۔ وہاں کے باشندوں پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جس کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال ملتی ہو۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرانسیسی سامراج نے الجزائر کے لوگوں کی نسل کشی شروع کی تاکہ قوم کو ہی ختم کر دیا جائے۔ ان کے مکانات، زمینیں، اناج کی دکانیں تباہ کر دیں۔ خون کی ہولی کھیلی گئی۔ جمیلہ نامی خاتون پر فرانسیسی فوجیوں نے تشدد کیا جس سے مہذب معاشرے کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

الجزائر کے عوام پر ظلم و بربریت کے نئے نئے ہتھکنڈے آزمائے گئے۔ انہیں بھوکے پولیس کتوں کو کھلایا گیا، لوگوں کو زندہ جلایا گیا۔ ممنوعہ علاقے قائم کیے گئے، جہاں مقامی لوگ قدم بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ فینن کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ الجزائر کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس میں کم از کم ایک فرد نے اس آزادی کے لیے اپنی جان نہ دی ہو۔ ایک اندازے کے مطابق اس تحریکِ آزادی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ گوریلوں نے کئی بار فرانسیسی فوج کے ٹھکانوں پر حملہ کیا اور بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ جلد ہی ان گوریلوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور دو تین سالوں میں یہ تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ اب ان کے پاس جدید ہتھیار تھے۔ جو ایک

باقاعدہ فوج بن چکی تھی اور دشمن سے لڑنے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی۔ انہوں نے بالآخر فرانسیسی افواج کو شکست دی اور اس صورتحال نے فرانسیسی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ فرانسیسی رائے عامہ خود اس حکومت کے خلاف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت کمزور ہو گئی تھی ۔

"الجزائری کی جرائم پسندی، اس کے جبلی محرکات اور اس کا قاتلانہ تشدد نہ تو اس کے اعصابی نظام کی تربیت کا نتیجہ ہے اور نہ ہی اس کا کرداری وصف، بلکہ استعماری صورتحال کا براہِ راست ماحصل ہے۔"(۷)

الجزائر کی جنگ آزادی ایک سو بتیس سال تک جاری رہی اور بالآخر ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو جنگ بندی کا معاہدہ ہوا اور یہ طے پایا کہ ۲ جولائی کو وہاں کے لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں۔ اس ریفرنڈم میں ننانوے فیصد عوام نے آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور ۳ جولائی ۱۹۶۲ء کو جمہوریہ الجزائر ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر باضابطہ طور پر قائم ہوا۔ ڈی کالونائزیشن یا اینٹی کالونیلزم کے مختلف مراحل کو بیان کرتے ہوئے، فینن نے آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر نوآبادیاتی معاشرے کے مقامی لوگوں کی ذہنیت اور اس پر مغربی طبقے کے اثرات کو بیان کیا ہے۔

فالن ڈسٹ میں فینن نے ان افراد کا بھی ذکر کیا ہے جنہیں آزادی حاصل کرنے کے بعد معاشرے کو چلانا پڑتا ہے۔ جیسے ہی نئی حکومت وجود میں آتی ہے، قومی ثقافت کی ترقی اپنے ماضی کی ان شاندار داستانوں سے دوبارہ جڑ جاتی ہے، جسے سامراج نے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ فالن ڈسٹ کے آخر میں، فینن نے ایک ماہرِ نفسیات کی حیثیت سے نوآبادیاتی دور میں لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں نوآبادیات کے ذہنی اور جسمانی جبر پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ نوآبادیاتی صورتحال جو قومی تشخص اور مقامی ثقافت کو کچل کر سماجی دور میں اپنا مقام مضبوط کرتی ہے۔ فینن اس سے نجات کے لیے مسلسل جدوجہد اور قومی تہذیب کے شعور کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔ اُس کی فکر ان تمام سماجی، ثقافتی، سیاسی اور ادبی مباحثوں کی چھان بین پر اصرار کرتی ہے جو نوآبادیاتی دور میں تیار ہوئی تھی۔ جس کا مقصد مقامی دامن کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے ان کی اجارہ داری کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔

"ایک نئی قومیت کے ابھرنے اور استعماری نظام کی شکست کے دو اسباب ہوتے ہیں۔ یا تو عوام کی اپنے طور پر تشدد آمیز جدوجہد یا پھر گردوپیش کے نوآبادیاتی باشندوں کی حرکات جو اس نوآبادیاتی حکومت میں رخنہ ڈالتی ہے۔"(۸)

فینن محکوم لوگوں پر زور دیتا ہے کہ وہ مغربی آباد کاروں کے جبر، بربریت اور معاشی وسائل کے استحصال کو بے نقاب کر کے اپنی ثقافتی جڑیں بحال کریں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ فینن کی زیادہ تر مابعد نو آبادیاتی فکر الجزائر کے عوام کی آزادی اور سامراج کے خلاف افریقہ کے اتحاد کے خوابوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ فینن نہ صرف فکری اور علمی بلکہ عملی طور پر الجزائر کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فینن کے بیان کردہ خیالات ان کے خودی اور قومی شناخت کے تجرباتی تصور سے گہرے متاثر ہیں۔ اقبال احمد کے نزدیک: "اجتماعیت میں ہی انسان کی ذات کا بھرپور اظہار ہو پاتا ہے۔"(۹)

فرانز فینن نے نہ صرف افریقہ میں قائم نو آبادیاتی نظام کے خلاف علم بلند کیا ہے بلکہ پوری دنیا میں موجود نو آبادیاتی نظام اور استعماریت کے نقصانات کو اُجاگر کیا۔ انھوں نے اپنی فکر کے ذریعے ان خدوخال کی بھی نشاندہی کی ہے جو استعماریت کا سبب بنتے ہیں۔ وہ ان اقدامات کو بیان کرتے ہیں جو عملی طور پر کارگر ثابت ہوئے ہیں۔ یوں نو آبادیاتی قوم، غلامی کے طوق کو اتار پھینکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ فینن نے نو آبادیاتی دور کے ان کرداروں کا اصل چہرہ بے نقاب کیا ہے، جو مقامی باشندوں کو اپنا غلام بناتے ہیں اور آزادی دلانے کی آڑ میں اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

> "یورپ نے دنیا کی رہنمائی کا کام سرگرمی، بے لحاظی اور تشدد کے ساتھ سرانجام دیا۔ دیکھو اس کے محلوں کے سائے کس قدر دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔۔۔ انسانیت نے ان کی ہر ذہنی فتح کے لیے کتنے دکھوں کی قیمت ادا کی ہے۔"(۱۰)

بطور ماہر نفسیات، فینن اپنی تہذیب و ثقافت کو نبض کے طور پر پہلی جگہ دیتا ہے۔ اس کی کتاب "The Wretched of the Earth" فینن کی وفات سے کچھ عرصہ قبل شائع ہوئی تھی۔ اُس کی کتب کی اشاعت کے بعد فلسفہ، نفسیات، سماجیات، سیاسیات اور ادب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نو آبادیاتی نظام ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا، لیکن اب اس نے اپنا انداز بدل لیا ہے۔ اگرچہ ۱۹۷۷ء میں تمام ممالک نے یورپی استعمار کے جبر سے آزادی حاصل کر لی ہے، لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ اور سوویت یونین دو بڑی عالمی طاقتوں کے طور پر اُبھرے جنھوں نے نو آبادیاتی نظام کی ایک نئی شکل متعارف کرائی۔ اقتصادی، فوجی اور سفارتی مداخلت کی نئی بنیاد رکھی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد امریکہ واحد عالمی طاقت بن کر اُبھرا۔ اور وہ اپنی سرکاری ذمہ داریوں کی آڑ میں دوسرے

ممالک (خصوصاً مسلم ممالک) کے معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔ افغانستان، عراق اور پاکستان اس کی واضح مثالیں ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کے ممالک نے نو آبادیاتی نظام اور استعمار سے آزادی تو حاصل کی ہے، لیکن حقیقی آزادی تک ان کی رسائی ابھی تک نہیں ہو پائی۔ ان ممالک میں مقامی لوگ حکمران بن گئے ہیں، نئے اصلاحاتی ادارے بھی وجود میں آ چکے ہیں، لیکن انگریزی، فرانسیسی یا دیگر حکمران ممالک کا غلبہ بدستور قائم ہے۔ یورپی طرزِ زندگی، خوراک، اور نظریات کو اسی طرح قبول کرنے کا رجحان ہے۔ جو کہ نو آبادیاتی دور میں تھا۔ یہ خیال بھی عام ہے کہ مقامی حکمران مقامی ہونے کا بہانہ کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ صلاحیت انہیں مقامی آبادی میں قابل قبول بناتی ہے۔ اس کے علاوہ نیوڈیموگرافک نظام نے قومی تہذیب و ثقافت پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کا اب بھی خون بہہ رہا ہے کہیں یہ زخم ناسور میں تبدیل گئے ہیں۔ فرانز فینن نے الجزائر کی فرانسیسی حکمرانی سے آزادی کے بعد پیدا ہونے والے نفسیاتی، جسمانی اور روحانی مسائل پر خاطر خواہ مفصل بحث کی ہے کہ کس طرح یہ لوگ مختلف نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ آزادی حاصل کرنے کے باوجود غلامی کے طوق میں جکڑے ہوئے ہیں اور ذہنی طور پر اس سے باہر نہیں نکل پا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مختلف ذہنی و جسمانی الجھنوں اور مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہارون بلوچ لکھتے ہیں۔

> " فینن کے ہاں محض قوم پرستی کوئی پروگرام یا نظریہ نہیں بلکہ اسے معاشرتی و سیاسی ضروریات کی شعور میں ڈھالنے کے لیے واضح، نمایاں، زرخیز اور گہرا بنانا ہو گا دوسرے الفاظ میں قوم پرستی کو انسانیت پسندی میں تبدیل کرنا ہو گا۔"(۱۱)

ستم ظریفی یہ ہے ان مسائل پر توجہ نہیں دی جاتی اور اگر کچھ کیا بھی جائے تو فقط منافقانہ طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے جو یہ مسئلہ حل کرنے کے بجائے زخموں پر نمک پاشی کرتا ہے۔ فینن نے یہ اندازہ لگایا کہ نئی ایجادات کی بدولت سرمایہ دارانہ نظام کے کمال کے بعد، برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ جیسے یورپی ممالک نے بڑے صارفین کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی بڑی تعداد کی ضرورت محسوس کی جنہیں کم اُجرت پر رکھا جاتا ہے، تقریباً غلاموں کی طرح، تاکہ وہ ان کے لیے صنعتی اور زرعی مصنوعات کی پیداوار جاری رکھیں۔ یورپ سے نکلنے کے بعد سامراجیوں نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں کالونیوں کی تلاش شروع کر دی۔ اپنے ضمیر کو تسلی دینے کے لیے گوروں نے یہ جواز ایجاد کیا کہ وہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی

امریکہ کے ان باشندوں یعنی (''مٹی کے بدبختوں'') کو تعلیم دے کر انھیں ''مہذب'' بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نو آبادیاتی ممالک میں محکوم لوگوں کو ''مہذب بنانے'' کے عمل نے بتدریج ایک ایسی مخلوق پیدا کی، جس کی جلد کالی تھی لیکن ان کے سر پر اپنے آپ کو گوروں جیسا بنانے کا جنون سوار تھا۔ وہ لاعلاج طور پر ذہنی مریض بن گئے۔ فینن نے ردعملی قسم کے ذہنی امراض کو بھی بیان کیا۔ ان تمام حقائق کو دریافت کرنے کے بعد، اس نے خود کو سامراج کے خلاف جنگ کے لیے وقف کر دیا۔ فینن کے مطابق: ''اُمید کو یقین میں بدلنے کے لیے اور ایک صورت میں ڈھالنے کے لیے اسے باعمل ہو کر خود کو جسم و روح سمیت قومی جدوجہد میں جھونک دینا چاہیے۔''(۱۲)

زیرِ مطالعہ فرانز فینن کی لکھی ہوئی کتاب میں قوموں اور افراد پر استعماری قوتوں اور سامراج کے غیر انسانی رویوں کا ذہنی اور نفسیاتی اثرات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے استعماریت کا شکار لوگوں کی سماجی، ثقافتی اور سماجی تحریکوں کو اُجاگر کیا اور نو آبادیاتی نظام کے نتیجے میں معاشی استحصال اور بربادی سے نجات پانے کی راہ بھی دکھائی ہے۔ مصنف نے بنی نوع انسان کی عظمت اور آفاقیت کو ثابت کیا۔ انھوں نے عوامی طاقت کے ذریعے سیاسی، معاشی و سماجی جدوجہد جاری رکھی۔ یہ کتاب نفسیاتی اور مارکسی نقطۂ نظر سے نیو ڈیمو گرافک نظام اور قوم پرستی کے خلاف لکھی گئی تھی۔ فینن کا شاندار کام نو آبادیاتی نظام اور استعماریت پر مبنی ہے۔ تاریخی حوالے سے فینن کو استعماریت کے خلاف لکھنے والے ناقدین میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قوموں اور افراد پر استعماریت کے غیر انسانی اثرات کا ذہنی و نفسیاتی تجزیہ پیش کرنے کے ساتھ ہی استعماریت سے نجات پانے ثقافتی، سماجی، تہذیبی اور سیاسی مفاہیم پر بات کرتے ہوئے فینن ہمیں ترقی کا راستہ بتاتا ہے۔

حواشی:

۱۔ سارتر، ژاں پال، دیباچہ، مشمولہ: افتادگان خاک از فرانز فینن، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء) ص ۱۴

۲۔ فرانز فینن، افتادگان خاک، ص ۲۴

۳۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۴۔ ہمایوں احتشام، افتادگان خاک (The wretched of the Earth) ریویو: مکالمہ، ۲۷ مئی ۲۰۲۲ء https://www.mukaalma.com/147959 (dated: 01-03-2023)

۵۔ فرانز فینن، افتادگان خاک، (مترجم: محمد پرویز، سجاد باقر رضوی) (لاہور: نگارشات، ۱۹۶۹ء) ص ۵۰

۶۔ فرانز فینن، سامراج کی موت، مترجم: خالد محمود، ایڈووکیٹ، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء) ص ۱۰۸

۷۔ فرانز فینن، افتادگان خاک، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء) ص ۲۵۰

۸۔ ایضاً، ص ۵۳

۹۔ اقبال احمد، کچھ فرانز فینن کے بارے میں، اسپیشل فیچر، روزنامہ دنیا، ۱۲ فروری، ۲۰۱۸

۱۰۔ فرانز فینن، افتادگان خاک، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء) ص ۲۵۱

۱۱۔ ہارون بلوچ، فینن: قوم پرستی کے خطرات پر۔۔۔ مکالمہ، ۸ مئی ۲۰۲۰
https://www.mukaalma.com/99142/(dated: 01-03-2023)

۱۲۔ فرانز فینن، افتادگان خاک، ص ۱۸۵